نبیلہ عزیز

قصرِ بیمار

رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔

ولید، نادرا کے سامنے والے صوفے پہ گم صُم اور ساکت سا بیٹھا ماورا سے سنی ہوئی داستان پر یقین کرنے اور نہ کرنے کے بیچ ڈول رہا تھا۔

کیوں کہ جو کچھ وہ بتا چکی تھی، وہ قابلِ فراموش تو نہیں تھا۔

رضا حیدر... علی مرتضیٰ کے قاتل تھے۔ عافیہ بیگم اور ماورا مرتضیٰ کے مجرم تھے اور قاتل اور مقتول کی اولادیں محبت میں گرفتار تھیں۔

معاملہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور کہاں پہنچا تھا اور آگے کیا ہونے والا تھا، سب عقل اور سمجھ سے باہر کی باتیں تھیں۔

ولید کی پُرسوچ آنکھیں پٹپٹا رہی تھیں۔

بتاؤ ولید میرا ساتھ دو گے؟ مجھے تیمور حیدر واپس چاہیے۔ بہرحال میں..." ماورا التجا بھی کر رہی تھی تو ایک ضد، ایک ہٹ دھرمی کے ساتھ۔

سینتیسویں قسط

"رابعہ! رابعہ!" رضا حیدر زور، زور سے دھاڑنے لگے۔

"اللہ خیر کرے، کیا ہو گیا ہے؟" رابعہ تیزی سے اندر آئی تھیں۔

"فون ملاؤ، ابھی، ماورا مرتضیٰ کے نمبر پہ..." وہ ادھر سے ادھر چکر لگا رہے تھے۔

"خیریت، سب ٹھیک ہے نا؟" وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

"پوچھو اس سے کہ وہ کس کا پاپ ہمارے بیٹے کے سر ڈال رہی ہے۔ کس کے بچے کو ہماری نسل کا نام دے رہی ہے؟" رضا حیدر زہر اگل رہے تھے اور رابعہ بیگم ششدر سی کھڑی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔؟ ماورا کا بچہ صرف ماورا کا نہیں ہے۔۔۔ ہمارے بیٹے کا' ہمارے تیمور کا بھی ہے۔۔۔ ہماری نسل ہمارا خون ہے۔۔۔ آپ کیوں۔۔۔؟"

"بکواس بند کرو اپنی۔۔۔" انہوں نے یک دم انہیں تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا تھا مگر رابعہ بیگم کے چہرے پر پڑنے کے بجائے ان کا ہاتھ کسی کے ہاتھ کی گرفت میں آگیا تھا۔

"کہتے ہیں کہ ظلم' جبر اور سفاکی کی بھی ایک حد ہوتی ہے' لیکن آپ تو ہر حد پار کر چکے ہیں۔۔۔ بے حسی نے اندھا کر دیا ہے آپ کو۔۔۔ لیکن باقی دنیا تو بے حس نہیں ہے ناں۔۔۔؟ سب کے سینے میں اللہ کا خوف رکھنے والا دل ہے۔۔۔ جو آپ کے اندر بد قسمتی سے نہیں ہے۔۔۔ آپ اس دولت کی ہوس میں اپنے خون اور اپنی ہی نسل کے دشمن ہو رہے ہیں۔۔۔؟ جس خوش خبری کو سن کر آپ کو مٹھائیاں بانٹنا چاہیے تھیں اس خوش خبری پہ آپ لوگوں کی زبانیں کھینچ رہے ہیں اور ہاتھ اٹھا رہے ہیں۔۔۔ ہونہہ۔۔۔! صد افسوس بابا جان' صد افسوس۔"

عزت انتہائی مضبوطی سے ان کا ہاتھ دبوچے' اپنے اندر کا سارا غبار باہر نکال رہی تھی۔ اس کے لہجے سے شعلے لپک رہے تھے' دل چاہ رہا تھا کہ رضا حیدر جیسے باپ کو مار ڈالے یا خود مر جائے۔۔۔ رضا حیدر نے زندگی کے اس موڑ پہ آکر انہیں دکھ' اذیت' شرمندگی اور اب پشیمانی سے دوچار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور ان کی اولاد ہونے کے ناطے وہ دونوں بہن بھائی خود کو کسی کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھ رہے تھے۔

"مجھے صرف اتنا بتا دیں' آپ یہ دولت کس کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اپنے لیے یا اپنے بیٹے کے لیے؟" اس نے خون رنگ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اگر اپنے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے بتائیں کہ اس عمر میں اتنی دولت کا کیا کریں گے۔" وہ ان ہی کے لہجے و انداز میں زہر اگل رہی تھی۔ "اور اگر بیٹے کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر بیٹے کے دشمن کیوں ہو رہے ہیں اگر اس نے اپنی مرضی سے اپنی اپنی پراپرٹی اپنی بیوی کے نام کر دی۔ کیوں زندگی عذاب بنا رہے ہیں اپنی بھی اور ہماری بھی؟ پلیز کچھ تو خیال کریں۔۔۔ اب اپنی آنے والی نسل کو تو انوالو مت کریں' اسے تو بخش دیں اس معاملے میں۔۔۔ اسے تو خوش رہنے دیں۔" عزت بولتے بولتے جیسے تھک گئی تھی۔۔۔۔

لیکن رضا حیدر پھر سے بھڑک اٹھے تھے۔۔۔۔

"کیوں نہ خوش ہوں؟ کیوں نہ زندگی عذاب بناؤں۔۔۔ کیوں۔۔۔؟ آخر یہ دولت میری ہے۔ میں نے بڑی محنت اور بڑی کوششوں سے بنائی ہے۔" انہوں نے غضب ناک ہوتے ہوئے۔۔۔ جواب دیا تھا۔ اور ان کے ایسے جواب پہ عزت کے چہرے پہ طنز اور تمسخر کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"محنت اور بڑی کوششوں سے بنائی ہے' یا پھر بڑے دھوکے اور بڑے فراڈ سے ہتھیائی ہے۔" عزت نے مزید زہر اگلا تھا۔

"زبان بند رکھو اپنی۔۔۔" انہوں نے غضب ناک ہوتے ہوئے ایک ایک دم ہاتھ بلند کیا تھا' چٹاخ! زوردار تھپڑ عزت کا گال لال کر گیا تھا۔ مگر وہ بھی ان ہی کی اولاد تھی۔ یہ ایک تھپڑ اسے چپ نہیں کروا سکتا تھا بلکہ اس کا دماغ اور الٹ گیا تھا۔

"زبان بند رکھنے سے آپ کی اصلیت چھپ نہیں جائے گی۔ اور ویسے بھی کتنی زبانیں بند کریں گے؟ کتنے لوگوں پہ ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ کروائیں گے۔۔۔؟ آپ اپنے دوست علی مرتضیٰ کے قائل ہیں۔۔۔ آج میں کہہ رہی

ہوں کل پوری دنیا کہے گی۔ کس کس کو چپ کروائیں گے کس کس کی زبان روکیں گے۔ بتائیں مجھے۔" عزت ان کے ہاتھ اٹھانے پر پاگل ہو رہی تھی۔ اور اتفاق سے واپس پلٹ آنے پر تیمور کے قدم ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے پہ ہی رک گئے تھے اور اس کا دماغ چکرا گیا تھا۔

"بتائیں مجھے۔؟" وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔

"عزت۔!" تیمور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا تھا۔ "پاگل ہو گئی ہو۔؟" اس نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

"بھائی چھوڑیں مجھے۔۔۔ مجھے پوچھنے دیں۔۔۔ یہ دولت آپ نے کمائی ہے یا ہتھیائی ہے۔۔۔؟ آپ نے یہ سکھ' آرام' عیش و عشرت سب کچھ دیا ہمیں۔۔۔ مگر حلال نہیں۔۔۔ حرام کھلایا ہے۔۔۔ حرام کی کمائی برسہ رہی ہے ہماری رگوں میں۔۔۔ چوری کی ہے۔۔۔ ڈاکا ڈالا ہے۔۔۔ قتل کیا ہے آپ نے۔۔۔ ہماری رگوں میں ایک قاتل' ایک گناہ گار ایک مجرم کا خون دوڑ رہا ہے۔۔۔ آخر ہماری اوقات ہی کیا ہے۔۔۔؟ انہوں نے ہمیں کہیں کا بھی نہیں چھوڑا۔۔۔ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں ہیں۔۔۔ ہم گناہ گار نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو گناہ گار اور مجرم سمجھتے ہیں۔۔۔ اور آپ کو گناہ گار ہوتے ہوئے بھی احساس نہیں ہوتا۔؟ کیا آپ کے دل میں ذرا سی بھی پشیمانی نہیں ہے۔۔۔؟" عزت ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی' رضا حیدر ششدر سے کھڑے دیکھ رہے تھے اور رابعہ بیگم بھی دم بخود ہو چکی تھیں جبکہ تیمور عزت کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔

"عزت۔۔۔! ہوش میں آؤ۔" تیمور نے اسے جھنجھوڑا۔

"مجھے پوچھنے دیں آج۔۔۔ کیا آپ کو اللہ سے خوف نہیں آتا۔۔۔؟" پہلے اپنے بھائیوں جیسے دوست کو نگل گئے۔۔۔ اور اب بیٹے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔۔۔ اپنی ہی نسل اپنے ہی خون کو پاپ کا نام دے رہے ہیں۔۔۔ ایک اور جرم۔۔۔ گناہ پہ گناہ۔۔۔ غلطی پہ غلطی کیے جا رہے ہیں۔ کوئی آپ کو روکنے والا ہی نہیں۔۔۔؟ کوئی سمجھانے والا ہی نہیں کہ اب بس کرو رضا حیدر۔۔۔ موت برحق ہے۔ مرنا آپ نے بھی ہے۔" عزت کے منہ سے لفظ نہیں نشتر نکل رہے تھے۔ اور رابعہ بیگم کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سب کچھ جو رابعہ بیگم آج تک ان کے ڈر کی وجہ سے نہیں کہہ پائی تھیں' وہ آج ان کی بیٹی کہہ رہی تھی۔

"ہمارے ساتھ جو ظلم کرنا تھا آپ نے کر لیا۔ اپنے دوست کے ساتھ جو کرنا تھا وہ بھی کر لیا۔۔۔ لیکن اب اپنی آنے والی نسل کے ساتھ تو ایسا کچھ مت کریں۔۔۔ اسے تو سر اٹھا کر جینے دیں۔۔۔" عزت روہانسے لہجے میں کہتے کہتے رو پڑی تھی۔

"ہم اپنے ہی گھر میں ڈر ڈر کے جی رہے ہیں۔ یہ کرنا ہے وہ نہیں کرنا۔۔۔ اس دولت نے اور اس دولت کی ہوس نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا' ہماری نیندیں' ہمارا سکون' ہمارا کھانا پینا سب حرام ہو چکا ہے' ہم ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں' دراڑیں پڑ گئی دلوں میں۔۔۔ رشتے بکھر گئے ہیں' صرف آپ کی وجہ سے۔۔۔ صرف اس کی دولت کی وجہ سے۔۔۔ ہمیں ہر کام آپ سے چوری اور آپ سے چھپا کے کرنا پڑتا ہے۔۔۔ کیونکہ ہم ڈرتے ہیں۔۔۔ آپ ہمیں جینے نہیں دیں گے۔۔۔ لیکن پلیز۔

میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ آپ کے پاؤں پکڑتی ہوں۔ ہمیں اپنی زندگی جینے دیں' ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں' رحم کریں' اللہ کے واسطے رحم کریں یہ دولت سب کو نگل جائے گی' اور۔۔۔ پچھتاوے رہ جائیں گے۔۔۔ پلیز بابا۔ تیمور بھائی محبت کرتے ہیں' ماورا مرتضیٰ سے اور انسان اپنی محبت سے دور ہو جائے تو سمجھیں زندگی سے دور ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے بیٹے کو زندگی سے دور مت کریں۔ چھوڑ دیں ساری ضدیں۔ جینے دیں ہم

کو۔۔۔ پلیز جینے دیں۔۔۔"

وہ کسی کی بھی کچھ نہ سنتے بغیر اپنی ہی لے جا رہی تھی اور رضا حیدر کے سامنے دوزانو بیٹھ کر ہاتھ جوڑ دیے تھے' آنسو بے تحاشا بہہ رہے تھے اور وہ تینوں نیچے فرش پہ بیٹھی روتی بلکتی عزت کو دیکھ رہے تھے۔!

☼ ☼ ☼

ماورا آج آفس نہیں گئی تھی۔ بلکہ اپنی ہی سوچوں میں گم کسلمندی سے بیڈ پہ لیٹی رہی۔۔۔ عافیہ بیگم نے ایک دو بار اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا بھی تھا اور اسے اس طرح منہ سر لپیٹے دیکھ کر انہیں کافی تشویش بھی ہوئی تھی لیکن وہ کچھ بھی کہے بغیر پلٹ گئی تھیں۔ البتہ بی گل خاموشی اختیار کرنے والی نہیں تھیں۔

دو دھیمے قدموں سے چلتی اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔

"ماورا' ماورا بچہ۔ جاگ رہی ہو؟" وہ اس کے بیڈ کے قریب آتے ہوئے بولیں۔ ماورا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور بی گل اس کی خاموشی سے سمجھ گئیں' وہ جاگ رہی ہے۔۔۔

"دیکھو میرا بچہ سو جانے سے مسئلے حل نہیں ہوتے ورنہ ساری دنیا ہی سو جاتی بلکہ سوئی ہی رہتی۔۔۔ لیکن اصل زندگی حقیقت میں ہے۔ چلتی پھرتی دنیا میں ہے۔" بی گل اس کے قریب بیڈ پر بیٹھی کہہ رہی تھیں۔

"دیکھو' پہلی بات تو یہ کہ اس حال میں ٹینشن لینا تمہاری اور تمہارے بچے کی صحت کے لیے سراسر نقصان دہ ہے۔ تمہیں ہر طرح کی فکر اور ٹینشن سے دور رہنا چاہیے۔ تمہارا ٹائم پہ کھانا پینا بہت ضروری ہے۔ تمہیں اپنی خوراک پہ توجہ دینا ہو گی۔ اب وہ پہلے والی لاپروائی نہیں چلے گی۔"

بی گل اپنے دھیان اور اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھیں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ سب سن رہی ہے۔

"اور دوسری بات اگر تیمور کی طرف سے پریشانی ہے تو وہ بھی درست نہیں۔۔۔ تم سمجھ رہی ہو کہ وہ تم سے اور بچے سے غافل اور بے خبر ہے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔۔۔ اسے تمہاری اور بچے کی بھی خبر ہے' بے فکر اور لاپروا نہیں ہے وہ۔۔۔"

"لیکن بے حس ضرور ہو چکا ہے۔" ماورا ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ پھٹ پڑی تھی اور بی گل ذرا دیر کے لیے رک گئیں پھر مسکرا اٹھی تھیں۔

"محبت ٹھنڈا جذبہ نہیں ہے' محبت ایک نرم گرم جذبہ ہے۔ اس کی گرمی انسان کو ہمیشہ پگھلائے رکھتی ہے۔ انسان لاکھ چاہے تب بھی بے حس اور پتھر کا نہیں بن سکتا۔۔۔ تم کیسے سوچ سکتی ہو کہ وہ بے حس ہو چکا ہے۔۔۔؟" بی گل کا فلسفہ ہمیشہ الگ ہی ہوتا تھا۔

"وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔۔۔ میرے سوچنے کے لیے کیا یہ کافی نہیں۔۔۔؟"

ماورا تڑپ رہی تھی۔ اسے جو چوٹ لگی۔۔۔ کیا وہ کم تھی؟

بی گل تیمور کی طرف داری کر رہی تھیں اور ماورا ان کی طرف داری پہ انہیں دیکھ کے رہ گئی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ چوٹ نے محبت بھلا دی۔۔۔؟" ماورا اعتراض اٹھا رہی تھی۔

"چوٹ نے محبت نہیں بھلا دی۔۔۔" بلکہ چوٹ کے درد نے اسے بلبلا کے رکھ دیا۔ جیسے جیسے درد کم ہوتا جائے گا۔ اس کی بلبلاہٹ کم ہوتی جائے گی۔ زخم بھرتا جائے گا۔ طبیعت سنبھلتی جائے گی۔"

بی گل اسے سمجھا رہی تھیں اور ماورا سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"لیکن۔۔۔!" ابھی وہ کچھ اور کہنے ہی والی تھی کہ اس کا موبائل بج اٹھا تھا اور ماورا کے ساتھ ساتھ بی گل نے بھی

بے ساختہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے اس کے موبائل کی طرف دیکھا تھا جس کی اسکرین پہ تیمور حیدر کی تصویر جگمگا رہی تھی۔

اور پھر اسی بے ساختگی سے دونوں نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا تھا اور بی گل کے چہرے پہ دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"جیسے جیسے درد کم ہوتا جائے گا' اس کی بلبلاہٹ کم ہوتی جائے گی۔ زخم بھرتا جائے گا... طبیعت سنبھل ہوتی جائے گی..." بی گل کی بات اس کی سماعتوں میں دوبارہ سے گونجی تھی اور اس نے کال ریسیو کرلی تھی۔

"ہیلو... السلام علیکم..." ماورا نے اپنے آپ کو پرسکون ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی... اور بی گل یونہی مسکراتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

"وعلیکم السلام... کیسی ہو؟" تیمور بھی بہت مطمئن انداز میں بول رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" ماورا کی آواز دھیمی تھی۔

"تو پھر آفس کیوں نہیں گئیں...؟" تیمور کے سوال پہ وہ بری طرح چونکی تھی یعنی اسے یہ بھی خبر تھی کہ وہ گھر پہ ہے۔

"بس ایسے ہی..." اس نے لاپروائی سے کہا۔

"بس ایسے ہی کام نہیں چلتا... طبیعت نہیں ٹھیک تو ڈاکٹر کو بلا لو... ایسے کاموں میں لاپروائی نہیں اچھی ہوتی۔" اب بی گل کی جگہ ہدایت نامہ اس کی طرف سے جاری ہوا تھا۔

"تو کیا اچھا ہوتا ہے...؟" وہ بے اختیار بولی۔

"پروا..." تیمور نے بھی برجستہ جواب دیا تھا۔

"کس کو کرنی چاہیے...؟" ماورا کریدنا چاہتی تھی کہ اس نے فون کس لیے کیا ہے؟

"مجھے...!" وہ بھی کسی اور ہی موڈ میں نظر آرہا تھا۔

"تو...؟" اس کا سوالیہ لفظ حاضر تھا۔

"کر تو رہا ہوں۔" تیمور نے بغیر لگی لپٹی رکھے جواب دیا تھا۔

"کیا...؟" پتا نہیں کیوں وہ بات کو بڑھا رہی تھی۔ بے وجہ طول دے رہی تھی۔

"پروا..." اس نے بھی یک لفظی جواب سے نوازا۔

"اچھا... پروا ایسے ہوتی ہے...؟" وہ جیسے اندر سے مطمئن ہو چکی تھی۔

"تو کیسے ہوتی ہے...؟" اب وہ پوچھ رہا تھا۔

"پاس آکر... پاس بیٹھ کر... فکر میں مبتلا ہو کر۔" وہ اسے طریقہ بتا رہی تھی۔

"فکر میں ہی تو مبتلا ہوں۔" تیمور کے منہ سے بے ساختہ پھسلا۔

"کیسی فکر...؟ اور کس کی فکر...؟" وہ ٹھٹکی۔

"ان سب کی... جن کو میری فکر نہیں۔" تیمور کا جواب سیدھا ماورا کے دل میں پیوست ہوا تھا۔

"آپ کی سوچ غلط بھی تو ہو سکتی ہے۔" اس نے تیمور کی غلط فہمی دور کرنے کی غرض سے کہا۔

"میری سوچ صحیح بھی تو ہو سکتی ہے...؟" تیمور نے جیسے استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

"ہو سکتی ہے مگر..." ماورا نے کچھ کہنا چاہا۔

"ماورا...!" تیمور نے اس کی بات کاٹ دی اور ماورا چپ ہو گئی۔

"جی....؟" وہ دھیمے سے بولی۔
"وہ کیسا ہے....؟" تیمور کا گمبھیر لہجہ آنچ دے رہا تھا۔
"کون....؟" ماورا نہیں سمجھی۔
"جس کو صرف میری فکر ہوگی۔" تیمور کا اشارہ کس طرف تھا' اب وہ فوراً" سمجھ گئی۔
"آپ کا بے بی....!"
"ہاں' میرا بے بی۔ میرا بچہ.... میرے جسم کا حصہ.... کیسا ہے؟" تیمور کے لہجے میں پیار کی شدت ہمک رہی تھی اور پیار کی اس شدت پہ ماورا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
"بتاؤ ناں' کیسا ہے وہ....؟" تیمور بچوں کی سی ضد سے پوچھ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے.... بالکل ٹھیک ہے.... کیوں کہ آپ ہو نا اس کی پروا.... اس کی فکر کرنے والے۔" ماورا نے لہجے کو ذرا خوش گوار بنانے کی کوشش کی تھی۔
"ہاں.... میں ہوں ناں.... اسی لیے تو اس کی خاطر تمہاری گود بھرائی کی رسم ارینج کر رہا ہوں۔" تیمور نے بالآخر کہہ ہی دیا تھا۔
"گود بھرائی کی رسم....؟" ماورا زیر لب دہرا کے رہ گئی۔
"ہاں.... گود بھرائی کی رسم.... صرف اس لیے کہ کل کو تم سے کوئی یہ سوال نہ پوچھے کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ کیونکہ ہمارا تو نکاح بھی دھوم دھام سے نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اب بچہ تو دھوم دھام سے ہونا چاہیے ناں؟"
تیمور ماورا کے رشتے اور کردار کو معتبر کر رہا تھا۔ ماورا کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی بھلا؟

"بولو.... آؤ گی ناں....؟" وہ اسے مدعو کر رہا تھا۔
"کہاں....؟"
"جہاں میں بلاؤں گا۔" وہ مبہم سا بولا۔
"ہاں.... آؤں گی۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔
"تھینک یو.... بی گل اور آنٹی سے بھی کہنا.... ابھی کال بند کرتا ہوں اور لوگوں کو بھی انوائیٹ کرنا ہے.... بلکہ تم بھی کسی کو بلانا چاہو تو بلا سکتی ہو۔"
تیمور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور ماورا حیرت اور بے یقینی سے موبائل دیکھتی رہ گئی....!

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم....!" مونس مرزا نے اپنی دھن میں کال ریسیو کی تھی۔
لیکن دوسری طرف کا سلام اور ٹھہرا ہوا لہجہ سن کر ٹھٹک گیا تھا۔
"کون....؟"
"تیمور حیدر بات کر رہا ہوں۔" تیمور کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔
"اوہ اچھا اچھا.... تیمور حیدر....؟" مونس مرزا نے جملہ خاصا لمبا کھینچا تھا۔ "جی.... تیمور حیدر! فرمائیے.... آج کیسے یاد کر لیا۔"
مونس مرزا کو شک ہو چکا تھا کہ یقیناً" کوئی بڑی بات ہے' اسی لیے اس نے فون کیا ہے....
"یاد تو آپ ہمیشہ سے ہیں.... لیکن فی الحال آپ کو اور آپ کی فیملی کو اپنی بیوی کی گود بھرائی کی رسم میں شرکت

کے لیے انوائیٹ کرنا تھا اس لیے یاد کرنا پڑا۔" تیمور نے یاد کرنے کی وجہ بتائی۔
"اوہ.... گود بھرائی کی رسم؟ مبارک ہو بہت بہت۔" مونس مرزا نے مسکراتے ہوئے اسے مبارک باد سے نوازا۔
"خیر مبارک.... آپ اپنی فیملی میں اطلاع کر دیں.... دو روز بعد گود بھرائی ہے۔"
"ٹھیک ہے جناب.... جیسے آپ کا حکم۔" مونس مرزا نے بڑی نیاز مندی کا مظاہرہ کیا تھا اور تیمور نے سلام دعا کے بعد فون بند کر دیا تھا....!

☼ ☼ ☼

ولید اپنے پروگرام کی شوٹ کے لیے جا رہا تھا جب اس کے موبائل پہ بیل ہوئی تھی' اس نے عجلت سے چلتے چلتے موبائل نکال کر کال اٹینڈ کی.... اور نمبر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔
"ہیلو....!"
"کیسے ہو....؟" تیمور کی آواز پہ ولید کے تیزی سے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔
"تیمور....؟" ولید نے تصدیق کرنا چاہی۔
"ہاں.... تیمور ہی بول رہا ہوں.... تمہیں کوئی شک ہے کیا؟" تیمور نے شرارت سے کہا۔
"ہاں شک تو ہے۔" ولید نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اچھا.... تو پھر یہ شک یقین میں بدل لو۔" تیمور مسکرا رہا تھا۔
"کیوں بدل لوں؟ وجہ....؟" ولید اکھڑے انداز میں بولا۔
"وجہ یہ کہ تم چاچا بننے والے ہو...." تیمور نے اسے خوش خبری سنائی۔
"کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟ ذرا پھر سے کہنا۔" ولید خوشی سے چہکا تھا۔

ماہنامہ کرن

مارچ 2017 کا شمارہ "سالگرہ نمبر" شائع ہو گیا

- ماہنامہ کرن کی سالگرہ کے موقعے پر قاضرہ گل کا مکمل ناول "گواہ ہیں سرمئی شامیں"
- "برگ امید وفا" مصباح علی کا مکمل ناول،
- "نیل گر" نگہت سیما کا ناولٹ،
- "بیلا" منشا حسن علی کا ناولٹ،
- "تو ہے تو درخشاں ہے حیات" قرۃ العین خرم کا ناولٹ،
- "اک اک لمحہ زندہ ہو" شبانہ شوکت کا ناولٹ،
- صدف ریحان گیلانی، عنبرین ولی اور امبر فاطمہ کے افسانے اور مستقل سلسلے

سالگرہ نمبر

- گلدستہ "سائرہ رضا خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "خواتین کے عالمی دن" پر مشہور شخصیات سے شاہین رشید کا سروے،
- "شادی مبارک ہو" عمار حسین کی شادی کا احوال،
- ماہنامہ کرن کی سالگرہ کے موقعے پر قارئین سے سروے،
- "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "راہ بدل" عزیز ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "گل کمہار" فرح بخاری کے مکمل ناول کی آخری قسط،

اس سمر کے لیے سلائی کریں شمارہ

"لباس اور فیشن"

کرن کے پورشمارے کے ساتھ ملحقہ سے منفرد پیش کش ہے

"تم چاچا اور ماما بننے والے ہو؟ تیمور کے انداز میں شرارت تھی۔
"واؤ... امیزنگ یار... ایم ریئلی ہیپی... اینڈ ریئلی سرپرائزڈ۔" ولید کی خوشی دیدنی تھی۔
"کب خبر ملی؟ اور بھابھی کہاں ہیں؟ بائی سب کو پتا چلا؟" ولید نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔
"خبر دو دن پہلے ملی ہے... تھوڑی ٹینشن میں تھا' اس لیے تمہیں بتا نہیں سکا... اور ماورا اپنے گھر میں ہے... البتہ اپنی فیملی کے علاوہ ابھی کسی کو بھی نہیں پتا... اس لیے گود بھرائی کی رسم ارینج کروا رہا ہوں... تم اپنی فیملی کے ساتھ آجانا اور پوری تیاری کے ساتھ آنا... گود بھرائی کی رسم کے ساتھ ساتھ میں عزت کی رخصتی کی رسم بھی ادا کر رہا ہوں۔"

تیمور نے انتہائی تحمل اور سکون سے کہتے ہوئے ولید کے سر پہ بم پھوڑ دیا تھا۔
"کیا رخصتی؟ وہ بھی دو دن بعد...؟"
"ہاں... رخصتی! دو دن بعد نہ ہوئی تو پھر کبھی نہیں ہوگی۔ تم دونوں کا نکاح میں نے کروایا تھا۔ رخصتی بھی میں ہی کرواؤں گا۔" تیمور اپنے فیصلے پہ اٹل تھا۔
"تیمور! تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟" ہمیشہ ہر کام میں عجلت کیوں کرتے ہو؟ جب اتنا انتظار کر لیا ہے تو تھوڑا اور سہی..." ولید اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"اب انتظار کی گنجائش نہیں رہی... تم پریشان نہ ہو... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں... تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" تیمور نے اسے تسلی دی۔
"یار! بات نفع اور نقصان کی نہیں ہے' بات تو۔"
"ولید! دو دن بعد رخصتی ہے۔" تیمور نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا اور ولید چپ کا چپ رہ گیا تھا۔
جبکہ اس کے بیڈ روم میں داخل ہوتی عزت کے قدم دروازے کی چوکھٹ میں ہی رک گئے تھے۔ وہ اس کی آخری بات سن چکی تھی۔
"عزت کو میں خود اپنے ہاتھوں سے رخصت کرنا چاہتا ہوں... یہ نہ ہو کہ بابا جان کی وجہ سے یہ کام ادھورا رہ جائے... اس لیے پلیز مجھے یہ ادھورا کام پورا کرنے دو۔"
تیمور کی بات پہ ولید اور کیا کہہ سکتا تھا' سوائے ہامی بھرنے کے۔
لیکن عزت وہیں کی وہیں پتھرائی ہوئی کھڑی تھی۔
اور ڈبڈباتی نظروں سے تیمور کو دیکھ رہی تھی' جو فون بند کرنے کے بعد مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور عزت کو دونوں کندھوں سے تھام لیا تھا۔ چہرے پہ شفیق سی مسکان تھی' نرم اور میٹھی۔ دل کو اداس کر دینے والی!

(آخری قسط آئندہ ماہ)

شکست کی آواز

زندگی کا حسین روپ بھی دیکھو پل بھر
اُفقِ ذہن کے اس پار جہاں
نیلگوں چرخ کی پہنائی میں
چاند کے پاس ستارہ ہے
جو چپکے چپکے
چاند کی نقرئی باہوں میں سمٹ آیا ہے
کاخِ گل کے کسی خاموش حجرے کے کبھی
جھانک کے دیکھا تم نے
کسی بہکی ہوئی خوشبو کا کوئی رقصِ لطیف
اور شبنم کے روپہلے گھنگھرو
جب رنج اُٹھتے ہیں تو سورج کی سُنہری کرنیں
کس لیے سجدے میں جھک جاتی ہیں ۔ کیا
پاتی ہیں؟
صبح دم موجِ صبا کرتی ہے کس کے لب و عارض
کا طواف؟
اس کی اٹھلاتی ہوئی چال میں کیوں ہوتی ہے
دل خیز ترنگ؟
اک ذرا سوچو کہ فطرت کا تقاضا کیا ہے
عشق کیا چیز ہے اور حسن کا منشا کیا ہے

(حمایت علی شاعر کی ایک تمثیلی نظم سے اقتباس)

جھنجلاتے ہیں، لجاتے ہیں پھر مسکراتے ہیں
کس اہتمام سے انہیں ہم یاد آتے ہیں

اب جا کے آہ کرنے کے آداب آتے ہیں
دُنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم مسکراتے ہیں

اے جوشِ گریہ دیکھ نہ کرنا خجل مجھے
آنکھیں مری ضرور ہیں، آنسو پرائے ہیں

سمجھاتے قبلِ عشق تو ممکن تھا بنتی بات
ناصح عزیب اب ہمیں سمجھانے آئے ہیں

کعبے میں خیریت تو ہے سب حضرتِ خمارؔ
یہ دیر ہے جناب یہاں کیسے آئے ہیں

خمارؔ بارہ بنکوی